عطاء الرحمٰن قاضی

کلام شکیب میں جبلتِ مرگ کی کارفرمائی

Shakaib Jalali was an unusual phenomenon. For him death was an extraordinary activity. It had an instinctive appeal for him. For him death was a fact of life arpund which philosophy and religion had woven a highly complicated pattern. The instinct of death has a special niche in his poetry. His fascination wfrom the idea of death was strengthened by his suicide. Here Shakaib's preoccupation with "deathwish" has bee explored.

~~~~~~~~~~~

موت ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہر فرد انسانی زندگی کی اس تلخ حقیقت کی ناگزیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی ناگہانیت سے جنم لینے والی دہشت کے حصار سے نکلنے کے لیے شعوری یا لاشعوری سطح پر غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ قدیم لوگوں کے نظریہ مرگ (Conception of Death) کا اگر جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ ازمنہ قدیم کے لوگ اپنی محدود ذہنی صلاحیتوں کی بدولت موت کو ایک ایسی نادیدہ شے یا غیر مرئی قوت کے طور پر محسوس کرتے تھے جو ان کے نزدیک باہر سے حملہ آور ہوتی ہے اور انسانوں کو گرفت میں لے کر بے حس بنا دیتی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک موت کے اسباب سراسر بیرونی (External) تھے۔ رفتہ رفتہ انسانی صلاحیتوں کے فروغ پذیر ہونے سے یہ

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~

حقیقت منظر عام پہ آئی کہ:

''ہر پیدائش اپنے ساتھ موت کے امکانات لے کر آتی ہے۔ ہر ذی روح ایک خاص عرصے تک زندہ رہنے کی تگ و دو کرتا ہے اور بالآخر پتھر کی طرح سرد اور بے حس ہو جاتا ہے۔''(۱)

گویا موت کی وجوہات بیرونی نہیں اندرونی ہوتی ہیں۔ موت کی یہ توضیح انسان کے استقرائی طرز فکر کی غماز ہے۔ جدید انسان کائنات اور اس کے مظاہر کو اب نئے تناظر میں دیکھ رہا ہے اور اس حقیقت کو منکشف کر رہا ہے کہ صرف نامیاتی اشیاء (حیوانات، نباتات) ہی نہیں بلکہ غیر نامیاتی اشیاء بھی ہر لحہ فنا کے ہمہ گیر عمل کی گرفت میں ہیں۔ آئن سٹائن کا کہنا ہے کہ یہ کائنات ہی مسلسل سرد اور تاریک ہو رہی ہے۔ اگرچہ یہ عمل بہت سست رو ہے لیکن لاکھوں، کروڑوں سال پر محیط تخریبی عمل کائنات کو ایک دن سرد اور تاریک بنا دے گا۔ آئن سٹائن کا نظریہ اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ:

''تخریبی عمل کائنات کے اندر موجود ہے اور وہ اپنے تکمیل کی طرف جا رہا ہے۔ لہٰذا جو خاصیت کائنات میں مجموعی طور پر موجود ہے اس کا اظہار نباتات یا حیوانات کی محدود دنیا میں آ سکنا کوئی غیر فطری بات نہیں۔ اگر ہماری کائنات تباہ ہو سکتی ہے تو ہمارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا۔''(۲)

فرائیڈ بھی اس نظریے کا قائل ہے کہ موت کی وجوہات باطنی ہوتی ہیں۔ کوئی بیرونی قوت فرد کو موت سے ہم کنار نہیں کرتی۔ اس نے انسانی ذہن کی گہرائیوں میں موجود انسانی ذات کی فنا پذیری کے احساس کو نہایت مربوط اور سائنسی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے ۱۹۲۰ء میں اپنی کتاب ''ماورائے اصول لذت'' (Beyond Pleasure Principle) میں جبلت مرگ کے تصور کو پیش کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد پورا یورپ

Scanned by CamScanner

خلفشار اور اقتصادی اختلال کا شکار تھا اس نے بیشتر لوگوں کے اندر قنوطیت پیدا کر دی تھی۔ فرائیڈ کا ایک قنوطیت کے حامل نظریے کو پیش کرنا اس عہد کے معروضی حالات کا منطقی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

فرائیڈ کے نزدیک ہر نامیے کے اندر لبیڈو (Libido) کی دو بنیادی جبلتیں

(۱) تحفظ ذات

(۲) اشاعت ذات

موجود ہوتی ہیں جو نامیے کو نشوونما فراہم کرنے کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ ان جبلتوں کو جو ارتقائے حیات میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں ۔فرائیڈ ایک وحدت کے طور پر پیش کرتا ہے اور اسے جبلت حیات (Eros of Life Instinct) کا نام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسری جبلت نامیے کے اندر موجود ہوتی ہے۔اسے فرائیڈ جبلت مرگ (Thanatos or Death Instinct) قرار دیتا ہے۔ اس جبلت کا مقصود نامیے کو موت سے ہمکنار کرنا ہے۔ یہ جبلت عضویے کی نامیاتی قوت پر استیلا حاصل کر کے عضویے کو بے حس بنا دیتی ہے۔ فرائیڈ کے نزدیک جبلتیں لچک کی صلاحیت سے محروم اور رجعت پسند ہیں۔ اپنی پہلی حالت میں واپسی جبلت کا خاصہ ہے۔ نامیاتی اشیاء کی ترقی اور فروغ میں جبلتوں کا کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ فریضہ بیرونی عناصر (ماحول ،جغرافیائی حالات) ہی سرانجام دیتے ہیں۔ فرائیڈ کے نزدیک چونکہ حیات کا صفات ،کسی نامعلوم قوت کے زیر اثر غیر نامیاتی مادے کے اندر پیدا ہوئی ہیں۔اس لیے معرض وجود میں آنے والی جبلت زندہ نامیے کو از سر نو غیر نامیاتی مادے میں تبدیل کر دینا چاہتی ہے۔فرائیڈ کا کہنا ہے کہ:

"The attributes of life were at same time evoked in inanimate matter by the action of the force of whose nature we can form no conception. It may

Scanned by CamScanner

perhaps have been a process similar, in type, to that which caused the development of cousciouness in a particular stratum of living matter the tension which then arose in what had hither to been an inanimate substance endeavoured to cacel itself out. In this way the first instinct came into being: the instinct of return to the inonimate state."(۳)

فرائیڈ کے اس نظریے کا جائزہ لیتے ہوئے شہزاد احمد رقم طراز ہیں کہ:

"۔۔۔ ممکن ہے کہ فرائیڈ کا یہ خیال اس کے اپنے نظریہ مراجعت سے لیا گیا ہو۔ تحلیل نفسی سمجھتی ہے کہ بچہ پیدائش کے بعد اپنی غیر پیدائشی حالت کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہے۔ اس نظریے کو مراجعت (Regression) کہا جاتا ہے۔ مادے کے ساتھ اس نظریے کو منطبق کرنا خاصی دور از کار بات ہے۔ چنانچہ اس بنیادی خیال کو ثابت کرنے کے لیے فرائیڈ نے کسی ماہر حیاتیات کا حوالہ تک نہیں دیا۔ اس لیے یہ نظریہ مفروضے سے زیادہ حیثیت کا حاصل قرار نہیں دیا جا سکتا۔"(۴)

بہرحال اپنی تمام خامیوں کے باوجود فرائیڈ کا یہ نظریہ موت کے مسئلے کو ایک نئے اور منفرد تناظر میں سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش ضرور ہے جسے بیک قلم مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ فرائیڈ کے نزدیک جبلت مرگ اور جبلت حیات دونوں بیک وقت ایک ہی نامیے کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ اس نظریے کا اگر بنظر غائر جائزہ لیں تو اس کے ڈانڈے جدلیاتی مادیت

Scanned by CamScanner

(Dialectical Mrtierialism) سے ملتے نظر آتے ہیں۔ دو متناقض جبلتوں کی ایک ناہیے میں یکجائی جدلیاتی مادیت کے قانون وحدت اضداد (unity of opposite) کے عین مطابق ہے۔ اس کے برعکس ارسطو کا خیال یہ ہے کہ:

''دو متناقض پہلو بیک وقت یکجا نہیں ہو سکتے۔ ایک لمحے میں ایک ہوگا تو دوسرے لمحے میں دوسرا۔ ایک شے ایک ہی وقت میں سفید اور غیر سفید نہیں ہو سکتی۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ایک وقت میں ایک شے سفید ہو اور دوسرے وقت میں غیر سفید ہو جائے۔ اس قانون کو قانون مانع نقیضین (Law of Non contradiction) کہا جاتا ہے۔''(۵)

ارسطو کی منطق کے بموجب دو متضاد رویوں کا اکٹھ ناممکن ہے لیکن ارسطو کی یہ منطق انسانوں کے باطن میں پنپنے والے ہر رویے کا تجزیہ کرنے سے قاصر ہے۔ انسان کے ذہن میں بیک وقت دو متناقض رویوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ ہر انسان کے اندر خوشی، غمی، نفرت، محبت جیسے جذبات ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں۔ ارسطو کے ''قانون مانع نقیضین'' کے بموجب ایک ناہیے میں جبلت مرگ اور جبلت حیات بیک وقت نہیں پنپ سکتیں۔ لیکن جدید علوم اور جدید نفسیات کے مطابق یہ دونوں جبلتیں ایک ہی وقت، کسی ناہیے میں اکٹھی ہو سکتی ہیں۔ جبلت مرگ اور جبلت حیات کی جدلیاتی کشمکش میں آخری فتح فرائیڈ کے نزدیک جبلت مرگ کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی غایت کے اعتبار سے یہ نظریہ رجائیت کے برعکس قنوطیت کا حامل ہے اور کسی بھی معاشرے کے عمرانی، سماجی اور تہذیبی رویوں کی تشکیل نو میں اثباتی تناظر فراہم کرنے سے قاصر ہے۔

(۲)

ہمارے اکثر غزل گو شعراء کے ہاں اذیت پسندی (Sadism) اور سلبی کیفیات کی ترجمانی بڑے نمایاں انداز میں ہوئی ہے۔ بیشتر شعراء کے گردوپیش تناظر نے عافیت

Scanned by CamScanner

کا ایسا ہالہ بنا ہے کہ ان کے ہاں پروان چڑھنے والی خواہش مرگ بھی بالآخر جبلت حیات کی متحرک نامیاتیت (Dynamic organicism) میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ جن چند ایک شعراء کے ہاں جبلت مرگ، حیاتیاتی تمناؤں پر غالب دکھائی دیتی ہے۔ ان میں شکیب جلالی بھی شامل ہیں۔

شکیب کے باطن میں پنپنے والے احساس نارسائی نے ان کے کلام میں جس حزنیہ لے کو فروغ دیا ہے وہ ان کے داخلی وجود کو ہمارے سامنے بے نقاب کر رہی ہے۔ اس احساس نارسائی کے پیچھے اس عہد کی سماجی قدغنوں اور سیاسی چیرہ دستیوں کی جھلک تلاش کرنا، ہوا میں گرہ لگانے کے مترادف ہے۔ اگر ان کی دل گرفتگی کے اسباب پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ:

"یہ اسباب غالباً سیاسی اور سماجی مسائل سے دست و گریباں ہونے کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر شائبہ ذاتی محرومیوں اور حق تلفیوں کے احساس کا ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاں ذاتی جذبات اور ردعمل کا دباؤ شروع سے آخر تک محسوس ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو یکسر و تنہا محسوس کرتے ہیں۔ ان کی کائنات میں پھیلنے اور نمو پانے کے امکانات بہت ہی کم نظر آتے ہیں، سکڑنے اور سمٹنے کے زیادہ۔"(۶)

شکیب کے کچھ اشعار، دیکھئے جن میں نارسائی اور ناکامی کا المیہ کائناتی قوت بن کر روشن ہوا ہے۔"(۷)

جاتی ہے دھوپ اجلے پروں کو سمٹ کر
زخموں کو اب گنوں گا میں بستر پہ لیٹ کر
فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدود وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

Scanned by CamScanner

بس چلے تو اپنی عریانی کو اس سے ڈھانپ لوں
نیلی چادر سی تنی ہے جو کھلے میدان پر

ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانہ جگر لخت لخت ایسا تھا

بنی نہیں جو کہیں پر کلی کی تربت تھی
سنا نہیں جو کسی نے ہوا کا نوحہ تھا

اجڑا ہوا مکاں ہے یہ دل جہاں پہ ہر شب
پرچھائیاں لپٹ کر روتی ہیں بام و در سے

کسی کی آس تو ٹوٹی، کوئی تو ہار گیا
کہ نیم باز دریچوں میں روشنی ہے اداس

ہنس ہنس کے گلے ملے قضا سے
تکمیل حیات کر گئے ہم

بھولا نہیں ہوں مقتل امید کا سماں
تحلیل ہو رہا تھا شفق میں سحر کا رنگ

کیا کچھ کیا نہ خود کو چھپانے کے واسطے
عریانیوں کو اوڑھ لیا شال کی طرح

کیا جانیے کہ اتنی اداس تھی رات کیوں
مہتاب اپنی قبر کا پتھر لگا مجھے

انسان کی بے بضاعتی اور فنا کی ناگزیت متذکرہ بالا اشعار سے ٹپک رہی ہے۔ فصیل جسم پر خون کے چھینٹے، ستاروں کا سسکیاں بھرنا، ہوا کا نوحہ گری کرنا، عریانی کو شال قرار دینا اور مقتل امید جیسی تراکیب شکیب کے داخلی مزاج کو نمایاں کر رہی ہیں۔ مہتاب جو

کہ حسن کی علامت ہے۔ شکیب کے ہاں قبر کے پتھر میں ڈھل چکا ہے۔ شکیب کے کلام میں کہیں کہیں امید آفرینی اور بہجت انگیزی کی جو جھلک ملتی ہے، وہ ان کے بنیادی شعری موڈ کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ان کا بنیادی شعری تجربہ سلبی کیفیات کے اظہار سے تشکیل پذیر ہوا ہے۔

شکیب کا آشوب آگہی، مابعد الطبیعاتی تناظر سے محرومی کے باعث زندگی کو کلیت کی صورت میں دیکھنے سے محروم ہے۔ زندگی کے جبر اور کائناتی انتشار کو انہوں نے کسی نظریے کے بجائے، اپنی حسیاتی بیداری کی بدولت شعری تجربے کا حصہ بنایا ہے۔ اگر ہم شکیب کی غزل کا مجید امجد کی غزل سے موازنہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مجید امجد کا آشوب آگہی، شکیب سے کہیں زیادہ گہرائی اور گیرائی کا حامل ہے۔ شکیب فنا کو ایسے امکان کے طور پر دیکھتا ہے جو زندگی کے خاتمے کا اعلامیہ ہے لیکن فنا کے احساس سے پھوٹنے والے اس کرب سے محروم ہے جو مجید امجد کی ذہنی و روحانی تنہائی اور ازلی محرومی کا ترجمان ہے۔ دوسرے لفظوں میں مجید امجد کا غم، شکیب کے غم سے کہیں زیادہ گھمبیر اور کرب ناک صورت حال کا غماز ہے۔

شکیب اپنی غزل میں جن فنی وسائل کو بروئے کار لائے ہیں، ان میں تمثال کاری بہت نمایاں ہے۔ شکیب ماورائے لمس احساسات اور مجرد خیالات کے ٹھوس حسیاتی سطح کی حامل تمثالوں میں ڈھالنے کی تخلیقی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ تجرید محض کو تجسیم میں ڈھال کر وہ اپنا رابطہ مظاہر کائنات کے ساتھ استوار کرتے نظر آتے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے کہیں تشخیصی اور کہیں استعاراتی انداز بھی اختیار کیا ہے۔ حسن اور اس کے تلازمات شکیب کی غزل میں نامیاتی تجربے میں ڈھل گئے ہیں۔ محبوب کے جسمانی خدوخال اور خطوط بدن کا ذکر ایک جمالیاتی اور نشاط آگیں تجربے میں ڈھل کر قاری کے احساس پر دستک دے رہا ہے۔ انسانی معاشرے کے برعکس، فطری کائنات کے ساتھ شکیب کا تعلق بہت گہرا ہے۔ انہوں نے حسن محبوب اور حسن فطرت کو ایک اکائی میں ڈھال دیا

Scanned by CamScanner

ہے۔ حسن فطرت اور حسن محبوب کے ادغام سے پھوٹنے والے امیجز کو جبلت حیات (Eros) کی کرشمہ سازی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ چونکہ ان کے بیشتر امیجز اردگرد کے ماحول اور مانوس مظاہرے سے ماخوذ ہیں۔ اس لیے قاری کو غرابت کا احساس نہیں ہوتا اور وہ ان کے شعری تجربے کو اپنے باطن سے ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان کے چند اشعار دیکھیے جن میں مختلف النوع امیجز جبلت حیات کا تجسیمی مظہر بن کے سامنے آئے ہیں۔

اس کے پردوں پہ منقش تری آواز بھی ہے
خانۂ دل میں فقط تیرا سراپا ہی نہیں

یوں آئینہ بدست ملی پر بتوں کی دھوپ
شرما کے دھوپ لوٹ گئی آفتاب میں

کھلی ہے دل میں کسی کے بدن کی دھوپ شکیب
ہر ایک پھول سنہرا دکھائی دیتا ہے

عجب نہیں ہے پہاڑیوں پر شفق کا سونا پگھل رہا ہو
مکان تیرہ کے روزنوں میں یہ نور کے آبشار دیکھو

دھوپ کی لہر ہے تو سایۂ دیوار ہیں ہم
آج بھی ایک تعلق ہے ترے سات ہمیں

پلکوں کے جھروکوں سے سبو جھانک رہے ہیں
امید کہ تشنہ لباں ہیں تری یادیں

ساحل سے دور جب بھی کوئی خواب دیکھتے
جلتے ہوئے چراغ تہہ آب دیکھتے

شکیب کی تمثال کاری ان کے ذہنی میلانات کی بھی عکاس ہے۔ ان کے حسی

Scanned by CamScanner

تجربات نئے نئے امیجز کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔ یہ امیجز ان کے متخیلہ کی زرخیزی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ انہوں نے جہاں اپنے داخلی احساس کو خارجی حقیقت سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مختلف النوع تمثالیں منصۂ شہود پر آئی ہیں۔ چونکہ شکیب کا بنیادی شعری تجربہ سلبی کیفیات کا حامل ہے۔ اس لیے ان کے اکثر و بیشتر امیجز بھی جبلت مرگ (Thanatos) کے ہی ترجمان ہیں اور ناتمامی، تنہائی اور انسانی زندگی کی بے بضاعتی کی عکاسی کر رہے ہیں۔ انہوں نے جدید انسان کے المیے کو فنکارانہ چابک دستی کے ساتھ غم انگیز تمثالوں کے روپ میں پیش کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

تارا کوئی ردائے شب ابر میں نہ تھا
بیٹھا تھا میں اداس بیابان یاس میں

نہ اتنی تیز چلے سر پھری ہوا سے کہو
شجر پہ ایک ہی پتہ دکھائی دیتا ہے

کمرے خالی ہو گئے سایوں سے آنگن بھر گیا
ڈوبتے سورج کی کرنیں جب پڑیں دالان پر

یہ جان لینا وہاں بھی کوئی کسی کی آمد کا منتظر تھا
کسی مکاں کے جو بام و در پر بجھے دیوں کی قطار دیکھو

ایک ہمیں ہی اے سحر نیند نہ آئی رات بھر
زانوئے شب پہ رکھ کے سر سارے چراغ سو گئے

مرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہوئے بھی دیکھ
سورج ہوں میرا رنگ مگر دن ڈھلے بھی دیکھ

عالم میں جس کی دھوم تھی اس شاہکار پر
دیمک نے جو لکھے کبھی وہ تبصرے بھی دیکھ

Scanned by CamScanner

آ کر گرا تھا ایک پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

ان نشانات میں پیش کیے گئے معروضی تلازمات (Objective correlative) کے ذریعے شکیب کے شاعرانہ تجربے کو بڑی سہولت کے ساتھ گرفت میں لیا جاسکتا ہے۔ متذکرہ بالا اشعار سے واضح ہے کہ شکیب کے ہاں احساس ناآسودگی نے جبلت حیات اور نامیاتی اقدار کو پنپنے کا موقع نہیں دیا۔ کہیں کہیں رومانی لہر کا ارتعاش ضرور دیکھنے کو ملتا ہے مگر وہ بھی زندگی کے رنگوں میں نکھار پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ ایک نامعلوم نفسیاتی الجھن جس نے شکیب کے اندر جبلت مرگ کو بیدار کر دیا تھا۔ آخر کار اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا منبع بن گئی۔

~~~~~~~~~~~~

حوالہ جات

۱۔ شہزاد احمد "مذہب تہذیب موت" مکتبہ کارواں، لاہور، سن ندارد، ص۵۹

۲۔ ایضاً

۳۔ بحوالہ اقبال کا تصور بقائے دوام از ڈاکٹر نعیم احمد: اقبال اکادمی لاہور، طبع اول ۱۹۹۹ء، ص۳۸

۴۔ شہزاد احمد "مذہب تہذیب موت" ص ۶۵، ۶۶

۵۔ نعیم احمد، ڈاکٹر، اقبال کا تصور بقائے دوام، ص۲۳، ۲۲

۶۔ اسلوب احمد انصاری، پروفیسر "غزل گو شکیب جلالی" کلیات شکیب جلالی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت اول ۲۰۰۴ء، ص۵۵

۷۔ شمس الرحمن فاروقی "شکیب جلالی، مشعل درد اب بھی روشن ہے۔ کلیات شکیب جلالی، ص۲۹

Scanned by CamScanner
~~~~~~~~~~~~